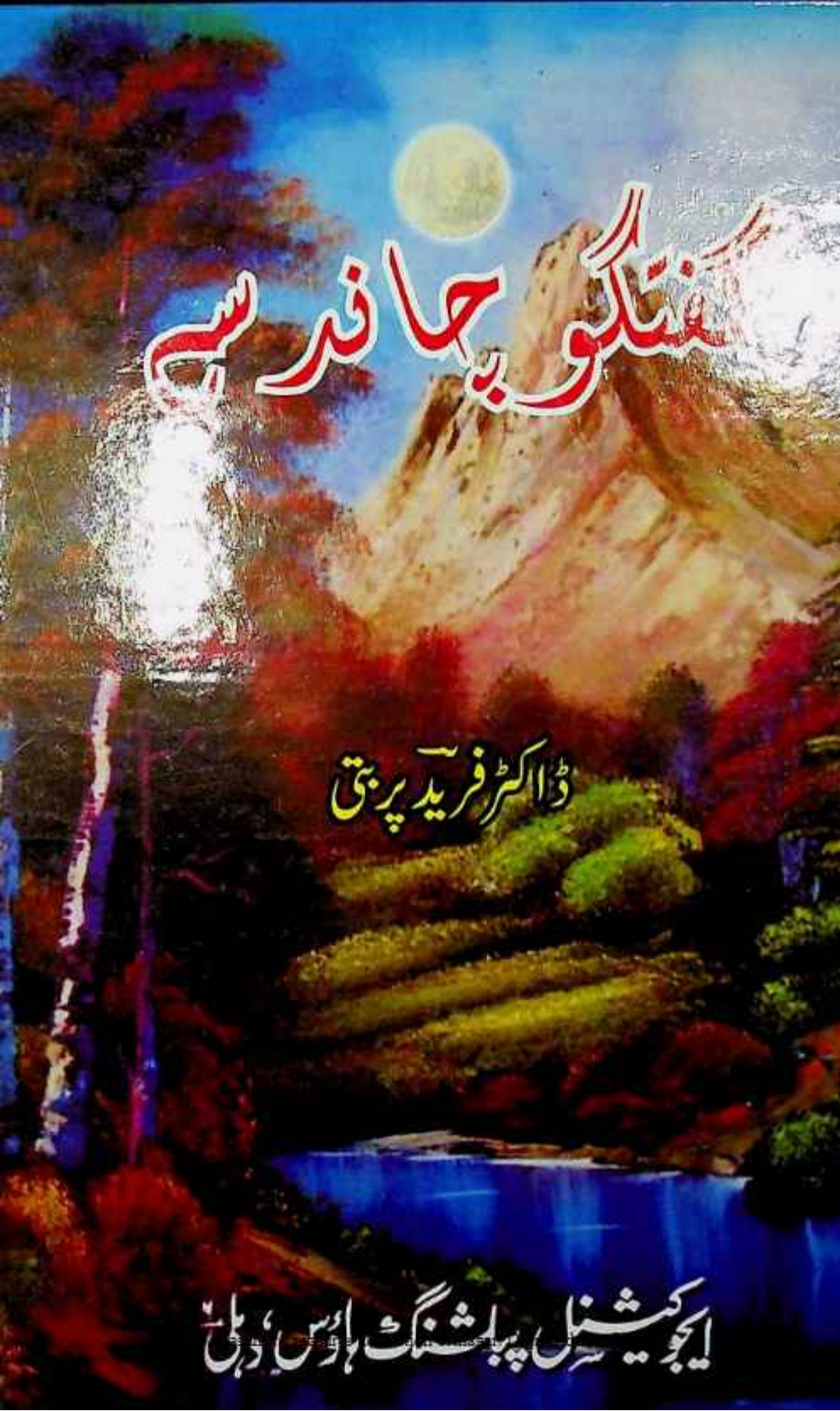




سنگ و حافر ہے

ڈاکٹر فرید پربتی

ایجویشنل پبلشنگ ہاؤس، دہلی

گفتگو

چاند

مس

گفتگو چاند سے



ڈاکٹر فرید پربتی

ایجوکیشنل پبلشنگ ہاؤس، دہلی

© فرید پربتی

ہل دیو کالونی، وانہ ہل، راولپورہ، سہریٹنگر ۱۹۰۰۰۵

GUFTUGOO CHAND SAY

by

Dr. Farid parbati

Year of 1st Edition 2005

ISBN 81-8223-133-7

Price Rs.200 /-

گفتگو چاند سے	نام کتاب
ڈاکٹر فرید پربتی	مصنف
۲۰۰۵ء	سن اشاعت اول
۲۰۰ روپے	قیمت
عقیف آفسیٹ پرنٹرز، دہلی	مطبع

Published by

EDUCATIONAL PUBLISHING HOUSE

3108, Vakil Street, Kucha Pandit, Lal Kuan, Delhi-6 (India)

Ph : 23216162, 23214465, Fax : 091-011-23211540

E-mail: ephdelhi@yahoo.com

اپنے والد کے نام

لُکَلِّ جَدِيدٍ لَذَّةٌ غَيْرِ أُنْسِي

رَأَيْتُ جَدِيدَ الْمَوْتِ غَيْرِ لَذِيذٍ

(ضابی بن الحرث الیربوعی)

(ہر نئی چیز اچھی لگتی ہے البتہ موت ایسی نئی چیز دیکھی جو بڑی بدمزہ ہے)

پروفیسر عبدالحق

پروفیسر صادق

پروفیسر نذیر احمد ملک

ڈاکٹر حسین احمد

ڈاکٹر منظر اعجاز

ڈاکٹر شیخ عقیل احمد

اور

خالد عبادی

کی فکر

ترتیب

- ۱۷ بے برگ و بے نوا ہوں پریشاں نہ رکھ مجھے
- ۱۸ کوئی رسول نہ آئے گا اب رسول کے بعد
- ۱۹ شاکر کیا میں کروں کچھ نہیں بہم شہا
- ۲۰ بیان کیسے کروں روح ابتلاء آگے
- ۲۱ گماں بدوش وہیں پر تھی چشم بزم بھی
- ۲۳ سکوت مرگ نہ شورِ ثبات سے مجھ کو
- ۲۵ اک جلوہ مہتاب ہے تشہیر میں شاید
- ۲۶ میں بھلا نہ سکوں گا کبھی بھی اسے.....
- ۲۷ رفاقتوں کی زیاں کوشیوں سے بچ کے چلو
- ۲۹ خواب اور طرح کے ہیں خیال اور طرح کے
- ۳۰ خواہشوں کے تسلسل میں زنجیر ہوں
- ۳۲ بے بسی میں چہرے تکتا خواہشوں کے رہ گیا

- ۳۳ پہلے پوچھا جو نہیں تھا وہی سب پوچھتی ہے
- ۳۶ ۱۴۔ تجھے ہوئے دل کی آس تھا میں
- ۳۸ ۱۵۔ تجربہ میں کرتا ہوں خود کو اب بدلنے کا
- ۳۹ ۱۶۔ اس دل میں اُمنگ ڈالتا ہے
- ۴۰ ۱۷۔ بے چہرہ خواہشات کا بن کر ہدف رہے
- ۴۲ ۱۸۔ شکیب و صبر پہ میں انحصار کرنے سکا
- ۴۵ ۱۹۔ شوق خوابیدہ کو بیدار بھی کر دیتا ہے
- ۴۶ ۲۰۔ چہرہ پردے سے جو اُس رشکِ قمر کا نکلا
- ۴۸ ۲۱۔ روز دکھلاتا ہوں میں زخمِ نہاں ایک نیا
- ۵۰ ۲۲۔ عجب طرح سے ہوں حیراں ہے رنگِ عالی کیا
- ۵۲ ۲۳۔ ربط پیدا اس قدر اُس یارِ جانی سے ہوا
- ۵۴ ۲۴۔ شاخ سے پھوٹ کے ہر گل کی تمنا ہو جاؤں
- ۵۵ ۲۵۔ بھاتا ہے مجھ کو چاندِ نظارا سرِ فلک
- ۵۶ ۲۶۔ تری جلو میں یہ شب بھی گزارنے جاؤں
- ۵۸ ۲۷۔ آشوب آگہی سے کنارہ نہیں کیا
- ۶۰ ۲۸۔ کر رہے ہیں آپ اپنی جستجو میں اور ہوا
- ۶۲ ۲۹۔ خود سے نہیں مانوس ہوں حیران ہوں
- ۶۴ ۳۰۔ دے رہا تھا کوئی رہ رہ کے صدا یاد آیا
- ۶۶ ۳۱۔ میں خوابوں کی شمعیں جلاؤں گا اک دن

- ۶۸۔ ہوں تصنیعات پہ ملتفت نہ زیادہ چھان پھنک مجھے
- ۷۰۔ ہر گھنے سائے کو بے نام و نشان کرتا ہوا
- ۷۲۔ تسلسل ٹوٹے خوابوں میں پیدا کر گئی دنیا
- ۷۳۔ ترے بغیر بھی جی لوں ارادہ تھا پہلے
- ۷۵۔ حسن امکان، رنگ، رخ، رنگِ بدن زرد پر رہا
- ۷۷۔ چلچلاتی دھوپ میں عریاں ہے تن
- ۷۹۔ ملن کی شمع جلا دور ہر شکایت کر
- ۸۱۔ مرے چراغ کو طاقِ زیاں پہ رکھتا ہے
- ۸۳۔ ایک بہانہ ملے اور خود سے تعلق بڑھ جائے
- ۸۴۔ رنج و راحت کے انفصال سے نہیں
- ۸۶۔ پیکار زندگی میں ہے کارِ فغاں بند
- ۸۷۔ اور کیا اس کے سوا اہل نظر جانتے ہیں
- ۸۹۔ پرانی روشنیوں کو بجھائے دیتا ہوں
- ۹۰۔ بے طرح خوابوں کا دیکھا مجھ کو عادی خوش ہوا
- ۹۲۔ خوابوں کا ایک ہجوم شکلیابی لے گیا
- ۹۳۔ یہ زیست کرنے نکلی سبیل راتوں رات
- ۹۵۔ ہے خبر اس کی اُسے بھی نہیں شاید بھی نہیں
- ۹۷۔ دوسووں کے شہر میں اپنا مقدر دیکھ کر
- ۹۹۔ یہ کون آیا ہے میرے قریب آخر شب
- ۵۰۔

- ۱۰۰ - ۵۱ - کیف زالمحوں کی مجھ میں اب للک باقی نہیں
- ۱۰۲ - ۵۲ - ہر خواب یاد رکھنے کا پیدا سبب کریں
- ۱۰۳ - ۵۳ - قدم قدم پہ دیئے شوق کے جلا کے چلے
- ۱۰۵ - ۵۴ - نظمیں
- ۱۰۷ - ۵۵ - زروان
- ۱۰۸ - ۵۶ - شہر آشوب

☆☆

فرید پربتی اردو ادب کے اُن پرستاروں میں سے ہیں جنہوں نے بیک وقت شعر و نثر دونوں میں اپنی بولانی طبع کے جوہر دکھائے ہیں۔ ہماری ادبی روایت میں Versatility کی مثال زیادہ نہیں ملتی۔ فرید پربتی کو پڑھ کر خلیل الرحمن اعظمی صاحب کی یاد تازہ ہو جاتی ہے جنہوں نے بیک وقت ایک بہت اچھے شاعر اور نثر نگار کی حیثیت سے اپنی انگریزی ادب اور شناخت قائم کی۔ خلیل صاحب کے ساتھ فرید کا ذکر یوں بھی مناسب لگتا ہے کہ دونوں نے غزل سے نسبتاً زیادہ سروکار رکھا ہے لیکن نظم بھی کہی ہے اور نثری مضامین کی حد تک صرف ادبی تنقید لکھی ہے۔ فرید نے رباعیات بھی لکھیں جس کے فنی و تخلیقی تقاضے مشکل سمجھے جاتے ہیں۔ خلیل صاحب نے بہت اہم منتخب اور اچھوتے موضوعات پر کافی غور و خوض کے بعد اپنے خاص انداز میں نہایت دلچسپ اور کارآمد تنقیدی مضامین لکھے جن سے اردو تنقید کو نہ صرف فائدہ ہوا بلکہ تازگی فکر و خیال کی حد تک تنقید کی روایت میں اضافہ بھی ہوا۔ فرید نے بھی قدیم و جدید ادب کے گہرے مطالعے اور سنجیدہ تفہیم کے نتیجے میں بعض بہت اہم اور قابل قدر مضامین لکھے جن سے ادبی تنقید کے سرمایے میں بہت اضافہ ہوا۔ فرید پربتی کی دوسری خوبی یہ ہے کہ وہ جزوقتی ادیب یا شاعر نہیں بلکہ مسلسل اور لگاتار وہ پورے انہماک اور تندہی کے ساتھ اپنے ادبی ذوق کی آبیاری میں مصروف ہیں۔ اپنے اس سنجیدہ اور کسی قدمہ نہایت ادبی شغف کے اعتبار سے سرزمین کشمیر میں یقیناً وہ اس روایت کے امین اور پیرو کہے جاسکتے ہیں، جس کی اعلیٰ ترین مثال حامدی کا کشمیری ہیں جو اپنی بے پناہ دانشورانہ اور خلّاقانہ صلاحیتوں اور کارناموں کے سبب برصغیر کے ممتاز ترین ادبی شخصیتوں میں شمار کیے جاتے ہیں۔

فرید پربتی چونکہ پچھلے پچیس برسوں سے لگاتار لکھ رہے ہیں اور ان کے چند

شعری مجموعے بھی شائع ہو چکے ہیں۔ میں نے ان کے مجموعہ آب نیساں کے حوالے سے اپنے ٹوٹے پھوٹے خیالات کا اظہار پہلے بھی کیا تھا جیسا کہ میں شروع سے محسوس کرتا ہوں فرید پرتی نے کشمیر میں رہتے ہوئے وہاں کے سیاسی و سماجی منظر نامے کا ایک حصہ ہوتے ہوئے بھی خود کو صرف کشمیر کی حد تک محدود رکھنا پسند نہیں کرتے اس کے برعکس وہ اپنی شناخت پورے ملک بلکہ وسیع تر کائنات اور اس کے لامحدود افکار و علاقے سے قائم کرتے نظر آتے ہیں اس لحاظ سے ان کے یہاں ایک آفاقی شعری تناظر کی بھی نشاندہی کی جاسکتی ہے۔ دوسرا پہلو جو اس شاعری خصوصاً غزل اور اس کی صنفی خصوصیات کے حوالے سے ابھر کر سامنے آتا ہے وہ یہ ہے کہ شاعری حالات حاضرہ پر تبصرہ کرنے اور Partision کردار ادا کرنے کے بجائے نسبتاً Naeutral انداز کی حامل ہے جو اپنے قاری کو فکر کے خاص زاویے میں مقید کرنے کے بجائے اس کو کھلا چھوڑ دیتی ہے تاکہ وہ خود فیصلہ کرے اور کسی نتیجے پر پہنچے۔ فرید پرتی کے زیر نظر مجموعہ ”گفتگو چاند سے“ بالعموم غزلوں پر مشتمل ہے۔ اس میں شہر آشوب بھی شامل ہے جو نظم ہونے کی حیثیت سے بعض ناگزیر فوری زمانی و مکانی حوالوں سے معمور ہے۔ مجموعہ کا عنوان اگرچہ رومانی ہے لیکن شعری کائنات کے مطالعہ سے پتہ چلتا ہے کہ یہ رومانس کسی محدود معنی میں نہیں ہے اس میں وسعت اور فراخی ہے یہ زندگی اور اس کے بے شمار مظاہر و ممکنات سے گہرے تعلق اور سروکار سے عبارت ہے۔ شاعری اور وظیفہ عشق انہیں معنوں میں لازم و ملزوم ہیں کہ یہ وہ مرحلے شوق ہے جس سے دامن کشیدہ گزر جانا ممکن نہیں ہے۔ فرید پرتی اس رمز سے باخبر ہیں۔ شیفتگی کے اس وسیع تر تناظر میں ان کا یہ شعر دیکھیں۔

کون آتا ہے مری راتوں کو کرنے معتبر

کون جاتا ہے مری شمعیں دھواں کرتا ہوا

راتوں کو معتبر اور شمعیں دھواں کرنے کی مختصری لفظیات خصوصاً آنے جانے کے

افعال کے ذریعہ وصال و ہجر کے گہرے پیچیدے جذبات و احساسات کی مصوری استعارہ

سازی اور تمثال سازی کی کیسی نایاب مثال ہے۔

شاعر کے عشقیہ واردات Evcounters کی نمائندگی بعض دوسرے اشعار سے بھی ہوتی ہے۔

دے رہا تھا کوئی رہ رہ کے صدا یاد آیا
رات چلتی تھی بہت تیز ہوا یاد آیا

اسی رستے پہ کبھی میں نے جلائے تھے چراغ
اسی رستے پہ کبھی میں تھا کھڑا یاد آیا

رہط پیدا اس قدر اس یار جانی سے ہوا
وہ خفا مجھ سے میں اپنی زندگی سے ہوا

چہرہ پردے سے جو اس رشک قمر کا نکلا
ہر کوئی کہنے لگا چاند کدھر سے نکلا

پہلا شعر اپنے اسلوب کی نوافگنی کے سبب غضب کی کشش اور تاثیر کا حامل ہے جس میں تیز ہوا کے اضافے سے درد و کسک اور محزون کی کیفیات شعر کو مزید دلآویز بنادیتی ہیں۔ تاہم بقیہ اشعار یقیناً روایتی طرز کے حامل ہیں البتہ نئے دور میں بر ملا اور بے محابا اظہار عشق کی روایت کے سیاق میں شوخی، لگاؤ اور سرزدگی کا یہ سنبھلا ہوا انداز بڑا دلچسپ معلوم ہوتا ہے۔

فرید کے یہاں خواب کی معنویت بھی کافی غور طلب ہے دیکھیں یہ اشعار۔

ہر گھنے سایے کو بے نام و نشان کرتا ہوا
وقت گزرا خواب میرے رازِ گال کرتا ہوا

لے کے نکلا ہوں میں پھر سوختہ خوابوں کا جلوس
خود تماشا بنی بنوں خود ہی تماشا ہو جاؤں

یہ اشعار بھی گہری معنویت سے قطع نظر اپنے اسلوب کی ندرت اور پیرایہ اظہار کی دلآویزی کے سبب نظروں کو پابند حجاب کرتے ہیں چنانچہ وقت کے تناظر میں گھنے سایے کا بے نام و نشان ہونا خواب کارایگاں ہونا اور دوسرے شعر میں ”سوختہ خوابوں کے جلوس کا منظر“ جس میں خود شاعری کی اپنی ذات تماشا بھی ہے اور تماشا کی بھی۔ شعری اظہار کی وہ نادیدہ صورتیں ہیں جو ہم عصر شعری منظر نامے میں دور سے پہچانی جاسکتی ہیں۔ فرید پربت کے یہاں شعری تجربات کی بعض دوسری صورتیں بھی ملتی ہیں، جو ان کے فنی و فکری امتیازات کی نمائندگی کرتے ہیں۔

تنہا ہوں چار سمت ہے یلغار تیرگی
میں اک چراغ ہوں تہہ داماں نہ رکھ مجھے

مقام صبر و رضا ہو کہ راہ حق کی تلاش
حسین ابن علیؑ کا ہے قافلہ آگے

وہ ایک موج جو ضامن نشاط روح کی تھی
اسی نے چھین لیا مجھ سے آخرش غم بھی

غموں کے موسم گزر چکے تھے
نہ جانے پھر کیوں اُداس تھا میں

خود ہی رکھتا ہے دیے تیز ہوا کی زد پر
اور آندھی سے خبر دار بھی کر دیتا ہے

ان اشعار کی وساطت سے شاعری کی منفرد فنی و تخلیقی بصیرت، گہرے جمالیاتی شعور اور احساس اور روحانی اضطراب کی خوب صورت ترجمانی ہوتی ہے۔

ان جستہ جستہ اشعار کے جائزے سے یہ اندازہ لگانا مشکل نہیں کہ فرید پربتی ہمارے ان شاعروں میں ہیں جو ایک آفاقی وژن رکھتے ہیں، بنس کا نائن پران کی انگلیاں اس انداز سے پڑتی ہیں کہ وہ زندگی کی تھر تھراہٹوں کو محسوس کر کے آلام کی عقدہ کشائی پورے وثوق کے ساتھ کرتے چلے جاتے ہیں۔ خدا کرے اس سر زمین تخلیق سے نغمے یونہی ابلتے رہیں اور قلب و جگر کی وادیاں سیراب ہوتی رہیں۔

نئی دہلی

پروفیسر قاضی عبید الرحمن ہاشمی

یکم اپریل ۲۰۰۵ء



اس ایک ارادے پہ ہر اک سفر کیا موقوف
کہ اب جو ہوگا سفر ہوگا تیرے گھر کی طرف

☆☆

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ



بے برگ و بے نوا ہوں پریشاں نہ رکھ مجھے
 اس چلچلاتی دھوپ میں عریاں نہ رکھ مجھے
 اپنوں نے مجھ کو ڈال دیا آندھے کنویں میں
 مفلس کا مال ہوں سر نسیاں نہ رکھ مجھے
 اندیشہ نفع کا بھی ضرر میں بدل گیا
 مصرف زدہ ہوں بے سرو ساماں نہ رکھ مجھے
 تاریک آبے زیست کے لیل و نہار ہیں
 محروم روشنی مہر تاباں نہ رکھ مجھے
 تنہا ہوں چار سمت ہے یلغار تیرگی
 میں اک چراغ ہوں تہہ داماں نہ رکھ مجھے
 دوش ہوا پہ کاغذ آتش زدہ ہوں میں
 خاشاک صبح و شام پہ رقصاں نہ رکھ مجھے
 اک چشمِ کیمیا کا طلب گار ہے فرید
 محروم فیضِ حضرتِ سلطان نہ رکھ مجھے

سلطان العارفین شیخ حمزہ مخدوم کا شیری





کوئی رسول نہ آئے اب رسول کے بعد
 نہ کوئی پھول کھلے گا اس ایک پھول کے بعد
 کبھی صحیفے ہوئے رد وہ اک صحیفہ ملا
 بنا ہے ضابطہ قرآن ہی نزول کے بعد
 وہ علم و حلم میں یکتا تھے خلق میں قرآن
 اصول کس کو کہیں گے اس اک اصول کے بعد
 چرا سے تابہ اُحد سلسلے عبادت کے
 قبول کس کو کہیں گے اس اک قبول کے بعد
 ترے حدیث و سنن میرے جزوِ ایماں ہیں
 حصول اپنا سمجھتا ہوں اس حصول کے بعد
 زمین سخت تھی پھر بھی کہی ہے نعت فرید
 گناہ بخش دیئے جائیں گے قبول کے بعد





ثار کیا میں کروں کچھ نہیں بہم شاہا
 گرفتہ دل ہوں میسر ہے چشمِ نم شاہا
 نہیں ہے خوف مجھے کچھ برستے تیروں کا
 کہ میرے ہاتھ میں ہے اب ترا علم شاہا
 مری جبین کی رونق فقط ہے خاکِ شفا
 مری حیات کا حاصل ہے تیرا غم شاہا
 میں تجھ سے کرتا ہوں منسوب اس لئے خود کو
 چلے گا نام سے تیرے مرا درم شاہا
 نبیؐ نے گود میں پالا ہے تربیت بھی کی
 اب اور کیا میں کہوں تو ہے محترم شاہا
 میں چل رہا ہوں صداقت کی سخت راہوں پر
 یہ تیری دین ہے یہ ہے ترا کرم شاہا
 یہاں پہ جھوٹ ہمیشہ ہی معتبر ٹھہرا
 یہاں ہیں سچ کے مخالف قدم قدم شاہا





بیان کیسے کروں روح ابتلاء آگے
 جہوم جو رو جفا ایک بے نوا آگے
 میں ابکے پیاس کی کھینچوں گا اس طرح تصویر
 فُرات ہوگا مرے پیچھے کربلا آگے
 بنا کے اپنی نمازوں کا پہلے پیشِ امام
 پھر اس کے بعد کیا قتلِ ناروا آگے
 مقامِ صبر و رضا ہو کہ راہِ حق کی تلاش
 حسینِ ابنِ علی کا ہے قافلہ آگے
 وہ صلح جو تھے حقیقت میں اُمن کے تھے نقیب
 پیام و نامہ سے دنیا پہ واہوا آگے
 فریدِ عصر رواں بھی ہے کربلا آثار
 یزیدِ وقت کا انجام دیکھنا آگے





گماں بدوش وہیں پر تھی چشم پر غم بھی
 صبا کے ساتھ جہاں داؤ پر تھی شبنم بھی
 اُس ایک بوجھ سے جھکنے لگے مرے شانے
 جس ایک بوجھ سے اب تک رہا میں سر غم بھی
 ہر اک کمال کو دیکھا زوال آمادہ
 شکست ہو گیا آخر پہ ساغرِ جم بھی
 اُتر کے پار جلائیں گے کشتیاں اپنی
 پھر اُس کے بعد منانا ہے اپنا ماتم بھی
 وہ ایک موج جو ضامن نشاطِ روح کی تھی
 اُسی نے چھین لیا مجھ سے آخرش غم بھی
 یہ کس تلاش میں نکلا ہوں خود کو کھو کر میں
 شعورِ ذات میں گم ہو گیا ہوں مدغم بھی

ابھی چھٹا ہی نہیں ہے عُبّار خوابوں کا
 ابھی رُکا ہی نہیں میرا شوقِ پیہم بھی
 قفس سے چھوڑ کے کتنا کبیدہ خاطر ہوں
 کہ مرگئی ہے یہیں خواہشِ دِما دم بھی
 امیر ہو کے یہی سوچتے ہیں لوگ یہاں
 خرید لیں گے ضرورت کے وقت دمِ خم بھی
 فرید اُمّتی میں آخری نبیؐ کا ہوں
 حرام اسی لئے مجھ پر ہوا جہنم بھی





سکوتِ مرگ نہ شورِ ثبات سے مجھ کو
 ملا رہا ہے کوئی میری ذات سے مجھ کو
 فسوں ذات، شعورِ حیات سے مجھ کو
 جدا وہ کرتا ہے ہر کائنات سے مجھ کو
 تقاضہ اس کے سلجھنے کا دن کرے گا ضرور
 ہے ایک مسئلہ درپیش رات سے مجھ کو
 وہ کوئی دوست ہے میرا کہ دشمن جانی
 ڈرا رہا ہے جو آبِ حیات سے مجھ کو
 بہت دنوں سے کوئی خواب بھی نہیں آتا
 چھڑا کے کون گیا ممکنات سے مجھ کو
 جو میری راہ میں آسانیاں بچھاتا تھا
 دُچار کرتا ہے کیوں مشکلات سے مجھ کو

تمہارے بارے میں چھوڑا ہے سوچنا میں نے
 رہا نہ اُس کوئی شش جہات سے مجھ کو
 تُوں تُوں میں کھلاتا ہے پھول جو اکثر
 ہوا ہے رنج بہت اُس کی بات سے مجھ کو
 جو نقدِ جاں کی طلب ہو تو شوق سے دے دوں
 نواز دینا وفا کی زکات سے مجھ کو
 کوئی پیام گلوں کا نہ خوشبوؤں کی خبر
 ملا نہ کچھ بھی صبا تیرے ہات سے مجھ کو
 وہ کشتیوں میں سدا چھید کرنے والا شخص
 بچانے نکلا ہے اب غائبات سے مجھ کو





اک جلوہ مہتاب ہے تشہیر میں شاید
 ہو گیا ہوں اپنی ہی تعبیر میں شاید
 اُٹھتا ہے عجب درد مسلسل مرے دل میں
 ہے ہاتھ اسی کا مری تعمیر میں شاید
 آتے ہیں نظر خواب میں چاند اور ستارے
 ہے گھر سے نکلتا مری تقدیر میں شاید
 اک حلقہ بھی پڑتا نہیں جس کا کبھی ڈھیلا
 اُلجھا ہوا ہوں اک اُسی زنجیر میں شاید
 اب گوش بر آواز ہوئے سارے گراں گوش
 لذت ہوئی پیدا مری تقریر شاید
 ہوتا ہے دکن میں کبھی دلی کبھی جموں
 رہتا ہی فرید اب نہیں کشمیر میں شاید





میں بھلا نہ سکوں گا کبھی بھی اُسے وہ ہمیشہ ہی میرا رفیق رہا
ہو گلابوں کی رُت کہ خزاں کا سماں وہ رفیق رہا وہ شفیق رہا

نہیں رہنے دیا کبھی ایک جگہ مرے حد سے زیادہ جنوں نے مجھے
ہوں اسیرِ گماں نہ ہی صیدِ یقیں مرا شوق ہزار طریق رہا

میں اُداس اُداس نہیں ہوں ذرا جو اُمید کا شہر نشانہ بنا
جو بھی رنگ دکھائے زمانہ مجھے اُسی رنگ میں میں بھی غریق رہا

ہوں امیر شرف نہ نجیب طرف نہیں کچھ بھی بکف ہوں فقیر نجف
مرا عصر بھی تھا، مرا قصر بھی تھا بڑی شان کا عہدِ عتیق رہا

کوئی بوندِ کرم کی وہاں پہ نہیں کہ وفا کے عوض ہے ستم پہ ستم
کبھی اس پہ ہوں خوش کبھی اس پہ غمیں مرا مسئلہ کتنا دقیق رہا

نہ خیال کسی کے ملال کا ہے نہ کسی کی جفا پہ خفا ہوں فرید
میں ہمیشہ ہی مست الست رہا میں ہمیشہ ہی مردِ خلیق رہا





رفاقتوں کی زیاں کوشیوں سے بچ کے چل
 وہ کہہ رہا ہے یہ پوشیوں سے بچ کے چل
 یہ بھاگ دوڑ علامت ہے زندگانی کی
 ٹھہرتے لمحوں کی خاموشیوں سے بچ کے چل
 ہر ایک شخص کو چمکا لگا ہے غم کا یہاں
 اس ایک نوش کی مدہوشیوں سے بچ کے چل
 اسی لئے میں اٹھاتا ہوں بارِ رنج و الم
 کہا تھا اُس نے کہ کم کوشیوں سے بچ کے چل
 یہ ایک عکس ہے تیری شناختوں کی دلیل
 نوید جاں کی فراموشیوں سے بچ کے چل

کتاب زیت کا ہر صفحہ بے نشاں رکھ کر
 اب اس طرح نہ خطا پوشیوں سے بچ کے چل
 نشہ حیات کا چھایا ہوا ہے چاروں طرف
 سواد جاں کی ہم آغوشیوں سے بچ کے چل
 ہے طعنہ زن وہی بیداریوں پہ ابکے فرید
 جو کہہ رہا تھا کہ بے ہوشیوں سے بچ کے چل

☆☆



خواب اور طرح کے ہیں خیال اور طرح کے
آنکھیں ہیں وہی اُن میں سوال اور طرح کے

اپنے سے جدا ہو کے بھی زندہ ہیں یہاں لوگ
اس شہر فسوں کے ہیں کمال اور طرح کے

قامت ہے جہاں پست وہیں سایہ ہے بالا
قسمت میں لکھے اب کے زوال اور طرح کے

وہ دن گئے ہوتی تھی فرومایہ کلفت
موسم ہیں نئے اور ہیں ملال اور طرح کے

آسودہ امکانِ طرب دل ہی نہیں ہے
جاری ہے یہاں کرب وصال اور طرح کے

ملنے کو تو ملتے ہیں مگر دل نہیں ملتا
رشتے ہوئے ہیں اب کے بحال اور طرح کے

کل تک جو محافظ تھے وہی اب ہیں مخالف
برپا ہے یہاں جنگ و جدال اور طرح کے





خواہشوں کے تسلسل میں زنجیر ہوں
 رک نہ میرے لئے وقتِ تاخیر ہوں
 گم ہوئی بھیڑ میں میری پہچان تک
 بے جہت لفظ ہوں حرفِ تنگیر ہوں
 ماحصلِ غیر کا میری کھیتوں کی فصل
 اک علاقہ ہوں غاصب کی جاگیر ہوں
 میرے اپنے جسے سن کے خائف ہوئے
 اُس ہی خوابِ حقیقت کی تعبیر ہوں
 بے ثمر کوششوں کا یہ حاصل ملا
 خواہشیں ترک کی تن بہ تقدیر ہوں

صبحِ مسلیں گی سورج کی کرنیں مجھے
 تیرگی میں اک آوارہ تنویر ہوں
 میرا مقصوم حیرت بھی وحشت بھی ہے
 میں کہ دیوار پر ایک تصویر ہوں
 خوفِ نادر میں بھی جی رہا ہوں فرید
 اس زمانے کا میں حاتم و میر ہوں
 ☆☆



بے بسی میں چہرے تکتا خواہشوں کے رہ گیا
 دوز میں آخر پہ سب سے میں ہی پیچھے رہ گیا
 لے گیا ہے وقت مجھ سے مجھ کو کب کا چھین کر
 سوچتا ہوں اب تلک زندہ میں کیسے رہ گیا
 ایک سایہ کر رہا تھا میرا پیچھا دیر سے
 منزلوں ہمراہ ہو کر چلتے چلتے رہ گیا
 تولتا تھا خود کو وہ یا ناپتا تھا وسعتیں
 اک پرندہ جو ہوا میں پرست کے رہ گیا
 اک تھکا ہارا مسافر سوچتا ہے دیر سے
 ساحل اُمید پر گھر بنتے بنتے رہ گیا

روشنی کا ایک ہالہ دے گیا دھوکا مجھے
 تیرگی جب بڑھ گئی وہ بھی کنارے رہ گیا
 جڑ پکڑ کر رہ گیا آنکھوں میں کرب انتظار
 بے کراں تاریکیوں میں تارے گنتے رہ گیا
 رہ گئی تھی جب کسراک آنچ کی خود میں فرید
 ارتباط بے سبب باقی یہ کیسے رہ گیا

☆☆



پہلے پوچھا جو نہیں تھا وہی سب پوچھتی ہے
 زندگی رات سے جینے کا سبب پوچھتی ہے
 سایہ تاک میں کتنی ہوئی کم تلخی غم
 اور کیا اس کے سوا بنتِ عنب پوچھتی ہے
 فہم و ادراک سے بالا ہے چلن دنیا کا
 ہارنے والے سے یہ جیت کا ڈھب پوچھتی ہے
 رنگ رخ، قربت جاں کچھ نہیں پاس مگر
 حاصلِ صحبتِ شب صبح طرب پوچھتی ہے
 عشق میں عزتِ سادات گئی کیا اس کا غم
 دل کی نسبت نہ کبھی نام و نسب پوچھتی ہے
 چاند کی پہلی کرن پوچھنے آتی ہے حال
 جب یہاں کوئی نہیں ہوتا ہے تب پوچھتی ہے

اس طرح پہلے کبھی بام نہ در جتا تھا
 آج کیا بات ہے یہ رونقِ شب پوچھتی ہے
 پہلے پوچھا ہی نہیں دل کے دھڑکنے کا سبب
 کشتیاں ڈوب کے کیا موجِ غضب پوچھتی ہے
 دل کی وسعت کے لئے چاند ستارے کم ہیں
 اکٹفا کس پہ کروں میری طلب پوچھتی ہے





بُجھے ہوئے دل کی آس تھا میں
وہاں بہ حد قیاس تھا میں

غموں کے موسم گزر چکے تھے
نہ جانے پھر کیوں اُداس تھا میں

اسی سبب سے میں جنگ جیتا
یہی کہ موقع شناس تھا میں

عجب طرح سے ہوا ہوں خالی
چھلکتی مے کا گلاس تھا میں

گھروں میں دھند آرہی تھی پیہم
اسی سبب بد حواس تھا میں

اسی لئے ہونٹ سی لئے تھے
خن خن بے ہراس تھا میں

تھا دھوپ صحرا کنارِ دریا
 جہاں پہ کل بے لباس تھا میں
 تھا آن واحد کا قرب لیکن
 یہاں سراپا پیاس تھا میں
 بنا ہوا تھا میں بے تکلف
 چھپائے اندر کی پیاس تھا میں





تجربہ میں کرتا ہوں خود کو اب بدلنے کا
 کھیل کھیلنے بیٹھا آگ پر سے چلنے کا
 پھٹک رہا ہوں اندر سے پر دھواں نہیں دیتا
 کس سے میں نے سیکھا ہے یہ طریقہ جلنے کا؟
 ہم نوالہ ہم پیالہ پھر نہ جانے کب ہونگے
 ہاتھ آئے گا موقع کب سو اچھلنے کا
 لگ رہے ہیں اب یکساں روز و شب کے ہنگامے
 انتظار رہتا ہے اب نہ دن کے ڈھلنے کا
 گاہ گاہ آئی ہے میری سمت کوئی موج
 گاہ گاہ ملتا ہے حیلہ جی بہلنے کا
 واقعہ نیا تھا وہ مجھ پہ کیا اثر کرتا
 دل کہ بھول بیٹھا ہے طور اب مچلنے کا
 دشت جاں میں چلتی ہیں آج پھر ہوائیں تیز
 اب نہیں کوئی موقع زیست کے سنبھلنے کا



اس دل میں اُمنگ ڈالتا ہے
 ڈل جھیل میں سنگ ڈالتا ہے
 کتنا ہے عجیب دوست میرا!
 ہر رنگ میں بھنگ ڈالتا ہے
 آجا کہ صبا کے ساتھ موسم
 ہر پھول میں رنگ ڈالتا ہے
 کہتا ہے لو دیکھ زندگی کو
 آندھی میں پتنگ ڈالتا ہے
 وہ ریت کا گھر بنا رہا ہے
 موجوں میں ترنگ ڈالتا ہے
 زیرک ہوں بہت اسی لئے وہ
 پانی میں نہنگ ڈالتا ہے
 ساکت پڑا تھا جو مدتوں سے
 اُس جھیل میں سنگ ڈالتا ہے



بے چہرہ خواہشات کا بن کر ہدف رہے
 ناکام اہل درد یہاں ہر طرف رہے
 اپنی بڑائی آپ جتانے کے واسطے
 گردانے میں محو صفات سلف رہے
 بے وقت آندهیوں پہ بھروسہ نہیں کوئی
 ہر شاخ سے کہو کہ وہ خنجر بکف رہے
 کتنے عجیب لوگ تھے شہرِ دروغ میں
 اپنی صداقتوں پہ اٹھاتے حلف رہے
 شر کو بنا فساد کی ہم کہنے والے لوگ
 کٹ کر ہر اک زمانے میں ہم ہر طرف رہے

خود کو ہی قتل کر کے مٹاتے ہیں لوگ جشن
 اک ہم نوا نہیں ہے جو ماتم کے صف رہے
 ایسا تو ایک شخص نہیں میرے شہر میں
 جسکو کہ اب ملالِ زوالِ شرف رہے
 اپنی اصلی کون پرکھتا یہاں فرید
 خلوت میں اس سب سے مثالِ صرف رہے

☆☆



شکیب و صبر پہ میں انحصار کر نہ سکا
 طریقِ غیر کبھی اختیار کر نہ سکا
 میں جانتا ہوں تغیر ہے زندگی کی دلیل
 اسی سبب سے ترا انتظار کر نہ سکا
 میں سیرتوں کا ہمیشہ رہا ہوں شیدائی
 میں صورتوں سے کسی وقت پیار کر نہ سکا
 تمام عمر خریدے ہیں اور بیچے خواب
 علاوہ اسکے کوئی کاروبار کر نہ سکا
 کچل کے چلتا ہے جذبات بے طرح سب کے
 کسی بھی رشتے کو وہ اُستوار کرنے سکا
 وہ درمیان کی راہ اختیار کیا کرتا
 جو امتیازِ یکمین و یُسار کر نہ سکا

گلے لگائے گا وہ شخص کیسے غیروں کو
 کبھی جو اپنوں پہ بھی اعتبار کر نہ سکا
 مرا ضمیر گوارا نہ کر سکا اس کو
 تو یہ خیال نہ کر تجھ پہ وار کر نہ سکا
 گھروں کی دوریاں کم کر گیا ضرور مگر
 دلوں کی دوریاں کم نئے سوار کر نہ سکا
 تھا ابتدا سے فرید انتہاء پسند مزاج
 وہ اعتدال کو اپنا شعار کر نہ سکا





شوق خوابیدہ کو بیدار بھی کر دیتا ہے
 ہوں زیست سے سرشار بھی کر دیتا ہے
 حسن بے داغ کی بس ایک جھلک دکھلا کر
 واقف لذتِ تکرار بھی کر دیتا ہے
 پہلے وہ ڈالتا ہے آگ کے دریاؤں میں
 پھر اُسی آگ کو گلزار بھی کر دیتا ہے
 رات بھر کرتا ہے وہ دن کے نکلنے کی دعا
 صبح دم روشنی مسمار بھی کر دیتا ہے
 قصہٴ غفو گزارش کے تسلسل کے لئے
 بے خطاؤں کو خطا کار بھی کر دیتا ہے
 خود ہی رکھتا ہے دیئے تیز ہوا کی زد پر
 اور آندھی سے خبردار بھی کر دیتا ہے

کبھی سکھاتا ہے وہ صلح و صفائی کے ہنر
 کبھی خود برسرِ پیکار بھی کر دیتا ہے
 کبھی کرتا ہے نچاور مری راہوں میں پھول
 وقت مل جائے تو پڑخار بھی کر دیتا ہے
 انکساری کے سبھی راز بتا کر مجھ کو
 یک بیک مائلِ پندار بھی کر دیتا ہے
 پہلے کرتا ہے وہ آمادہ گناہوں پہ فرید
 پھر اس اک بات کا اظہار بھی کر دیتا ہے

☆☆☆



چہرہ پردے سے جو اُس رشکِ قمر کا نکلا
 ہر کوئی کہنے لگا چاند کدھر کا نکلا
 میں یہ سمجھتا تھا گل و باغ و ثمر اُس کے ہیں
 وہ بھی محتاج مگر شاخِ شجر کا نکلا
 جل بُجھا ہوں میں خس و خابروں کے ہاتھوں
 شائبہ دل میں مرے رقصِ شرر کا نکلا
 میری راتوں کو ستاروں سے سجانے والا
 ڈھونڈے آج پتہ وقتِ سحر کا نکلا
 سنگ بستہ میں حقائق سے لڑا کرتا ہوں
 ایک ارماں نہ ابھی دیدہ تر کا نکلا
 ریت کے گھر وہ بناتا ہے یہاں اب اکثر
 جو کہ قائل کبھی دیوار نہ در نکلا

جھیل کا ایک کنول پاس بلاتا ہے مجھے
 اب کے شاید کوئی ارمان نظر کا نکلا
 تھا نہ معلوم یہ طوفانی ہے یادوں کا سفر
 سر پھری موج کا رشتہ بھی بھنور سے نکلا
 نیند میں رکھ گیا آنکھوں پہ کوئی اپنا ہاتھ
 پاساں کوئی تو اس اُڑے نگر کا نکلا
 جتنے واجب تھے کئے سارے ادا میں فرید
 پھر بھی باقی مگر اک قرض ہنر کا نکلا



تری طلب نے مجھے زندگی کے بارے میں
 کئی سوال کئے اور میں لاجواب رہا





روز دکھلاتا ہوں میں زخم نہاں ایک نیا
 مشغلہ ہاتھ لگا عمر رواں ایک نیا
 شوق تھا کہہ کے اُسے حال، کروں دل ہلکا
 لوٹ آیا ہوں لئے بارِ گراں ایک نیا
 لکھ گیا کون مرے گھر کے یہ دروازے پر
 خانہ ویراں نے بنایا ہے مکاں ایک نیا
 خوف آتا ہے مجھے ایسے سبک لمحے پر
 رنگ دکھلائے گی جب بادِ خزاں ایک نیا
 روز آتا ہوں پلٹ کر میں لئے ٹوٹے خواب
 روز کرتا ہوں مگر کارِ زیاں ایک نیا
 اُس کو معلوم ہے میرا ہے بدن زخموں سے چور
 مانگتا ہے وہ مگر تیرِ گماں ایک نیا

دور لگتا ہے مجھے پاس کا ہر اک منظر
 پھیلتا جاتا ہے یہ کیسا دھواں ایک نیا
 جن درختوں کے تلے مل کے کبھی بچھڑے تھے ہم
 اب وہاں ہونے لگا عشق جواں ایک نیا
 وہ غزل ہو کہ رباعی ہو دیا تو نے فرید
 ایک اک صنف کو اندازِ بیاں ایک نیا





عجب طرح سے ہوں حیراں ہے رنگ عالی کیا
 عطا کیا ہے تجھے حسنِ بے مثالی کیا
 بکھرتے لمحوں نے کارِ عجب یہ کر ڈالا
 مرے بدن کی صراحی کو رات خالی کیا
 اسی سے ہوتا ہے اکثر گمان ہونے کا
 افق پہ بُجھ کے رہے گی کبھی یہ لالی کیا
 تمہاری یاد جو آئی تو خود کو بھول گیا
 اسی کو کہتے ہیں اے دوست بے خیالی کیا
 وصال و ہجر ہیں الفت میں لازم ملزوم
 مگر ہے ان میں کوئی لمحہ لازوالی کیا
 ہر ایک شاخ میں دوڑایا جس نے تازہ لہو
 اُسی ہوا کو کہوں وجہ پائمالی کیا

ادھار لیتا ہے جو روشنی چراغوں سے
 اُسی کے درپہ میں سورج رہوں سوالی کیا
 مرے وجود کا ہر رنگ پڑ گیا پھیکا
 سو اس کے بعد ہے اب رنگ احتمالی کیا
 مری طرف کوئی سرو رواں سا آتا ہے
 طرارے بھرتا ہے کیوں آنکھ ہے غزالی کیا
 زباں ہے صاف خیالات بھی شگفتہ ہیں
 فرید تو نے یہ طرزِ سخن نکالی کیا





ربط پیدا اس قدر اُس یار جانی سے ہوا
 وہ خفا مجھ سے میں اپنی زندگانی سے ہوا
 اپنے دشمن سے زیادہ جانتا ہوں داؤ بیچ
 یہ ہویدا مجھ پہ اپنی کامرانی سے ہوا
 غیر کی چاہت ہوئی ہے اُس کے دل میں جاگزیں
 مجھ کو اندازہ یہ اُس کی قصہ خوانی سے ہوا
 داستاں در داستاں کردار یکساں ہو گئے
 منکشف مجھ پر یہ اُس کی ظلم رانی سے ہوا
 آڑھی ترچھی سب لکیریں کھیل ہے اُس ہاتھ کے
 جو ہوا اب تک وہ اُس کی مہربانی سے ہوا
 پاس میرے جو بھی ہے سب اُس نظر میں آ گیا
 فائدہ اتنا تو اُس کی پاسبانی سے ہوا

آسماں کی وسعتوں کو ناپنے کا شوق تھا
 میں گرفتارِ بلا اس بے کرائی سے ہوا
 بچ کھانے آپ اپنے کو یہاں نکلے ہیں لوگ
 میں بھی شامل اُن میں اپنی خوش گمانی سے ہوا
 آگیا وہ سب سڑک پر گھر میں جو موجود تھا
 کس قدر میں معتبر اس آگ پانی سے ہوا
 بولتی روحِ غنی ہے تیرے شعروں میں فرید
 یہ ہمیں اندازہ تیری خوش بیانی سے ہوا



شاعر رنگیں نوا طاہر غنی
 فقر او باطن غنی ظاہر غنی
 اقبال



شاخ سے پھوٹ کے ہر گل کی تمنا ہو جاؤں
 اب اسی سوچ میں ہوں اس کے سوا کیا ہو جاؤں
 میری آواز پہ آواز کوئی دیتا ہے
 سوچتا دیر سے ہوں کیسے شناسا ہو جاؤں
 شہد کا گھونٹ ہوں چکھنے پہ مزا دیتا ہوں
 کڑوے ہونٹوں کے لیے کیسے گوارا ہو جاؤں
 جانے کس سوچ میں بیٹھی ہے ستاروں کی قطار
 چاندنی دیر سے کہتی ہے سراپا ہو جاؤں
 جانے کس سمت لئے جاتا ہے خوابوں کا بھنور
 دائرہ دائرہ ہر موج سے پیدا ہو جاؤں
 لے کے نکلا ہوں میں پھر سوختہ خوابوں کا جلوس
 خود تماشائی بنوں خود ہی تماشا ہو جاؤں





بھاتا ہے مجھ کو چاند نظارا سرِ فلک
 ہر پھر کے آرہا ہوں دوبارا سرِ فلک
 نکلاتا گھر سے ڈھونڈنے میں اپنے آپ کو
 آیا نظر نہ کوئی ستارا سرِ فلک
 کرتا ہے خواہشوں کا مری پھر وہ احتساب
 کہتا ہے بول کیا ہے تمہارا سرِ فلک
 جانے لگا ہے میرا دھواں ساحلوں کی سمت
 شاید نہ کر سکا ہے گوارا سرِ فلک
 خس خانہ وجود بھی اب خشک ہو گیا
 خائف سا کر رہا ہے شرارا سرِ فلک
 چل اس طرح سے دور یوں کو کم کریں فرید
 دیکھیں گے کیا بچا ہے ہمارا سرِ فلک





تری جلو میں یہ شب بھی گزارنے جاؤں
 پھر آج اپنا مقدر سنوارنے جاؤں
 سراغ ہوش و خرد کا کہیں نہیں ملتا
 تری گلی میں انہیں بھی پکارنے جاؤں
 دل و جگر میں اُترتی ہے کہکشاں کی قطار
 یہ چاند رات کہاں اب گزارنے جاؤں
 مرے بدن سے کوئی چھینتا ہے سایہ مرا
 چلو یہ بوجھ بھی سر سے اتارنے جاؤں
 وہ جیت کر بھی نہ کہہ پائیں جس کو اپنی جیت
 اُس اک طریقے سے بازی میں ہارنے جاؤں

میں ایک ہو کے بنا ہوں ہزار خانوں میں
 میں اپنی اصل کہاں پر نکھارنے جاؤں
 اس ایک شب کہ سہارا ہے تیری یادوں کا
 اس اک خیال میں یہ شب گزارنے جاؤں
 ہزار چھید دیئے جس کو اہل دنیا نے
 میں کس کے آگے وہ دامن پیارنے جاؤں

☆☆



آشوب آگہی سے کنارہ نہیں کیا
 اک بار کرچکا ہوں دوبارہ نہیں کیا
 خود سے کبھی بچھڑنے نہ آپ اپنے کو دیا
 اس طرح ہم نے اپنا خسارہ نہیں کیا
 ہوں سطح میں ہمیشہ رہا منظروں میں قید
 لیکن کسی کو آنکھ کا تارا نہیں کیا
 آسائش بدن نہ میسر کہیں ہوئی
 سایوں نے کوئی کام ہمارا نہیں کیا
 اُن منظروں کو دیکھنے کی تاب ہی نہ تھی
 ایسا نہیں کہ میں نے نظارا نہیں کیا
 اتنا میں جانتا ہوں بہت ہی اُداس ہوں
 پر بے دلی سے میں نے اشارہ نہیں کیا

پنا نہ کوئی خواب ہی بنجر نگاہ میں
 یہ کیا کہ تیرا ساتھ گوارا نہیں کیا
 تکمیل کی خلش ہے مرے دل میں موجزن
 اس مرحلے میں تجھ کو سہارا نہیں کیا
 لڑنا ہی اپنے آپ سے مصرف ٹھہر گیا
 میں نے پرائے غم پہ گزارا نہیں کیا

☆☆



کر رہے ہیں آپ اپنی جستجو میں اور ہوا
 ایک جا ہو جائیں گے شاید کبھی میں اور ہوا
 آئے گی فرصت میسر دونوں کو شاید کبھی
 کر ہی لیں گے دیر تک پھر گفتگو، میں اور ہوا
 بھر گئی ہے دُھند ذہنوں میں دیارِ غیر کی
 بے سبب پھرتے نہیں ہیں کو بکو، میں اور ہوا
 ایک سا رہتا ہمیشہ ہی نہیں اپنا مزاج
 ہیں ملائم اور کبھی ہیں تند خو، میں اور ہوا
 کیا بتاؤں کس طرح سچا ہے ہم نے ہر شجر
 پیش اکثر کر گئے اپنا لہو، میں اور ہوا
 جا بجا سرگوشیاں کرنے لگیں پر چھائیاں
 گھر سے باہر جب کبھی نکلے ہیں، تو میں اور ہوا

دل لرز اٹھتا ہے اکثر اس گماں پر بے طرح
 پیش ہو جائیں گے اک دن روبرو میں اور ہوا
 بے خبر اپنے سے ہو کر لائیں گے اپنی خبر
 اس طرح سے طے کریں گے دشتِ ہومیں اور ہوا
 بانٹ کر آپس میں کوچے اور گلیاں، شہر کی
 توڑ دیں گے نفرتوں کا ہر سبب، میں اور ہوا
 سوچتا ہوں دیر سے لا حاصلی کے دشت میں
 کر گئے ہر خواب کیوں نذرِ نمو، میں اور ہوا
 انفرادی سوچ آخر کر گئی تنہا فرید
 ہو گئے بیگانہ ہر رنگ و بو میں، اور ہوا





خود سے نہیں مانوس ہوں، حیران ہوں
 ملتا کفِ افسوس ہوں، حیران ہوں
 لگتا تھا کل خوش بخت ہوں بے انتہا
 پر آج میں مایوس ہوں، حیران ہوں
 تیرہ شمی نے آلیا میرا وجود
 بے شمع کا فانوس ہوں، حیران ہوں
 وہم و یقیں یکسان ہیں میرے لئے
 خوابوں کا میں، ملبوس ہوں حیران ہوں
 مل کر پھڑ جاتے نہیں لوگ اس طرح
 میں طالعِ منکوس ہوں حیران ہوں

آپ اپنے کو خود حوصلہ دیتا ہوں میں
 منزل کہ میں تا قوس ہوں حیران ہوں
 اس خشک سالی پر بھی میں ہوں مطمئن
 کس رُت کا یہ طاؤس ہوں، حیران ہوں
 کہتی رہی مجھ کو ہوا چل ساتھ چل
 میں نے کہا مجھوس ہوں، حیران ہوں
 ہر کام خود میں نے بگاڑا بے طرح
 اپنے لئے منحوس ہوں حیران ہوں





دے رہا تھا کوئی رہ رہ کے صدا یاد آیا
 رات چلتی تھی بہت تیز ہوا یاد آیا
 اسی رستے پہ کبھی میں نے جلائے تھے چراغ
 اسی رستے پہ کبھی میں تھا کھڑا یاد آیا
 اُس کے کاندھے پہ پرانی سی پھٹی چادر تھی
 دے گیا تھا وہی جینے کی دعا یاد آیا
 لوگ شیشے کے تھے گھر شیشے کے سڑکیں شیشہ
 خواب میں دیکھی تھی اک ایسی جگہ یاد آیا
 رکھ گیا چاند ستارے وہ کبھی اپنے پاس
 دے گیا تھا مجھے مٹی کا دیا یاد آیا
 چاندنی رات تھی تارے تھے کوئی کہتا تھا
 اس طرح مجھ کو مجھی سے نہ چڑا یاد آیا



قطعہ

اُس نے اُس رات نہ توڑی تھی خموشی اپنی
 وہ فقط سنتا رہا میرا گلہ یاد آیا
 اُس نے بھی چھوڑی نہ تھی کوئی نشانی اپنی
 میں نے بھی پوچھا نہ تھا پورا پتہ یاد آیا

رات پھر ڈھونڈنے نکلا تھا پتہ خوابوں کا
 صبح پھر تھک کے میں گھر لوٹ گیا یاد آیا
 کرنے آیا تھا کوئی خوابوں کو میرے مسمار
 اس لئے رات یہاں شور مچا یاد آیا





میں خوابوں کی شمعیں جلاؤں گا اک دن
 زمیں پر ستاروں کو لاؤں گا اک دن
 مرے سورجوں کو ڈراتے ہو جس سے
 وہ ہے ایک تارا دکھاؤں گا اک دن
 نبھاتا ہے میرے دیئوں کو جو اکثر
 میں اُس کے دیئے بھی نبھائوں گا اک دن
 جدا کر رہی ہے مجھی کو جو مجھ سے
 وہ دیوار بھی میں ہٹاؤں گا اک دن
 یقین ہے ملے گا وہ کھویا ہوا پل
 ہر اک راستے کو سجاؤں گا اک دن

میری فصل کیوں غیر کی ملکیت ہے
 یہ باتیں سبھی میں بتاؤں گا اک دن
 مجھے بائتا ہے جو خانوں میں اکثر
 بھرم توڑنے اُس کا آؤں گا اک دن
 نہیں دور ہے خواب سے کیوں حقیقت
 میں تفصیل اس کی سناؤں گا اک دن

☆☆



ہوں تھنکات پہ ملتفت نہ زیادہ چھان پھٹک مجھے
 کہ خیال و خواب کی منزلوں سے گزرنے کی ہے لک مجھے
 یہ طلسم ذات میں چھوڑ کر مرا میں کدھر کو چلا گیا
 کہ میں اپنے آپ سے مل سکوں ہے تلاش آج تک مجھے
 ہوں لرزتے ہاتھوں میں وقت کے فقط ایک پیالہ شراب کا
 ہوں نشاط و کیف کا ماحصل یونہی بے پئے نہ جھٹک مجھے
 تھا بھیرا جس پہ کبھی مرا وہی شاخ بیٹھا ہوں کاٹنے
 مری خواہشوں کا یہ اک فسوں ہی زمیں پہ دے گا پلک مجھے
 جو میں ہوں تو پھر یہ ہوا نہیں کی کہاں سے آتی ہے پے بہ پے
 مرے ہونے پر یہی سلسلہ ہی کرانہ دے کہیں شک مجھے
 میں ابھارتا گیا چاک پر کوئی شکل اپنے گمان سے
 اسی دھن میں اپنی شکست کی نظر آئی ایک جھٹک مجھے
 مرے ساتھ ساتھ چلا مگر ہوا آخرش وہ طویل تر
 مری صحبتوں میں پلا بڑا وہی دے گیا ہے کک مجھے

انہی راستوں پہ کرے گا دقِ عجب ایک باسی معاملہ
 انہی راستوں پہ ہی دے گیا تھا تراخِ لوس مہک مجھے
 وہ جو مستعار تھی رونقیں نہ زیادہ دور وہ جا سکیں
 جو رنق تھی اپنے وجود کی وہی دے رہی ہے چمک مجھے
 میں اسیر شوقِ ثبات ہوں میں فقیرِ ذوقِ دوام ہوں
 کبھی خیرہ کر کے دکھائے گی یہ زمانہ بھر کی دمک مجھے
 یہ طلسمِ ذات ہے مہرباں یہی کرنے دے کہیں بے اماں
 میں فرید تیرا ہوں جانِ جاں یونہی حیرتوں سے نہ تک مجھے





ہر گھنے سائے کو بے نام و نشان کرتا ہوا
وقت گزرا خواب میرے رائیگاں کرتا ہوا

کون آتا ہے مری راتوں کو کرنے معتبر
کون جاتا ہے مری شمعیں دھواں کرتا ہوا

اُس نے ہنستے کھیلتے پھاندی ہے دیوارِ یقیں
میں کہ خود کو پھر رہا ہوں خوش گماں کرتا ہوا

کیا بتاؤں کس طرح پیش آئی مجھ سے زندگی
سو نہ جاؤں میں یہی قصہ بیاں کرتا ہوا

میری بستی سے ہے گزرا ایک لشکرِ اس طرح
دودھ پیتے بچوں پر مشقِ سناں کرتا ہوا

سہمہ رہا ہوں دیر سے لاسمیت کا اک عذاب
 کٹ گیا اپنوں سے خود کو آسماں کرتا ہوا
 کھو گئے گاڑھے دھویں میں شہر کے منظر تمام
 اک پرندہ رہ گیا آہ و فغاں کرتا ہوا
 کس نے رکھی ہے مری آنکھوں میں خوابوں کی قطار
 کون خواہش دل کی جاتا ہے جواں کرتا ہوا
 ☆☆



تسلل ٹوٹے خوابوں میں پیدا کر گئی دنیا
نئے انداز سے شعلے نگہ میں بھر گئی دنیا

مری عجلت پسندی نے ہی ہر دم رُخ بدل ڈالا
اسی رستے پہ میرے ساتھ میں اکثر گئی دنیا

خمیدہ پشت پر اک لاش لے کر اپنے ہونے کی
کوئی پہچاں نہیں پایا یہاں گھر گھر گئی دنیا

نظر انداز کرتا ہوں میں دنیا کا دُنیا بھی
یہ کیوں اپنا بنانے کا تقاضہ کر گئی دنیا

تمہارے بعد اب کھجنا نہیں ہے کوئی نظروں میں
چلو اتنا تو لہجھا کام آخر کر گئی دنیا

مجھے دنیا کی فکروں سے کیا آزاد اپنوں نے
یہ کس انداز سے دیکھو کُتر کر پڑ گئی دنیا

مرا ہونا نہ ہونا ایک سا ہے اُس کی نظروں میں
سیلے سے الگ کر کے ہر اک منظر گئی دنیا



ترے بغیر بھی جی لوں ارادہ تھا پہلے
 ذرا یہ سوچ کہ میں کتنا سادہ تھا پہلے
 اسی زمیں نے دیئے جور کے جلائے بہت
 اسی زمیں سے تعلق زیادہ تھا پہلے
 وہیں پہ اب بھی کھڑا ہوں میں ساکت و جامد
 جس ایک راہ پہ میں ایستادہ تھا پہلے
 اسی مکاں میں گھٹن ہو رہی ہے اب محسوس
 یہی مکان بہت ہی کشادہ تھا پہلے
 چمک دمک وہ مری اپنے ساتھ لے کے گیا
 چمکتا جسم دمکتا لبادہ تھا پہلے

وہ ایک بات جو باعث ہوئی تعلق کی
اُس ایک بات کا کرنا اعادہ تھا پہلے
محبّتوں کے دیئے میں جلا کے سو جاؤں
مرا خیال نہیں یہ ارادہ تھا پہلے
فرید کرتا تعین میں کیسے راستے کا
نہ منزلیں تھیں یہاں اور نہ جادہ تھا پہلے

☆☆



حسنِ امکانِ رنگِ رُخ، رنگِ بدنِ زد پر رہا
 کیا بتاؤں میں تجھے کیا کیا جتنِ زد پر رہا
 میں تو کیا میری انا بھی داؤ پر رکھی گئی
 ساتھ میرے اب کے میرا بانگین زد پر رہا
 عقل والوں پر وہاں کھلتے ہیں از خود راستے
 جس گلی میں اک مرا دیوانہ پن زد پر رہا
 ہر سخن کو تولتا ہوں بولتا ہوں منہ سے پھر
 پھر بھی جانے کیوں مرا ذوقِ سخن زد پر رہا
 ہو رہی ہے اس طرح تجدید ہر اک خواب کی
 جو بچا تھا آنکھ میں عکسِ کہن زد پر رہا

عشق پر لگنے لگی ہیں تہتوں پر تہتیں
 حسن بے پروا سے چاکِ پیر ہن زد پر رہا
 میں اسے چھوڑوں کہ پکڑوں شش و پنج کی راہ میں
 حالِ مفلس دیکھ کر اک راہ زن زد پر رہا
 کل تک مہکا رہی تھی جس کی خوشبو چار سو
 اک شکارِ کینہ ور کی وہ ہرن زد پر رہا

☆☆



چلچلاتی دھوپ میں عریاں ہے تن
 کون دیکھے گا بھلا اب حالِ من
 کیوں نہ وہ ہر معرکے کو سر کرے
 جس کا پشتیان ہو خیرِ شکن
 بے ستوں کو کائے بیٹھا ہوں میں
 آئے گی سمجھانے کوئی پیرِ زن
 جی رہا ہوں سنگ بستہ دور میں
 دے رہا ہوں اپنے خوابوں کو کفن
 ڈھونڈنے نکلا ہوں اپنے آپ کو
 کوئی کہتا تھا مجھے اپنا تو بن

بن گیا ہوں اب بہت باریک میں
 ڈھونڈتا پھرتا ہوں خوشبو کا وطن
 ایک سا لگتا ہے مجھ کو ہر دیار
 کاشمر ہو وہ کہ دلی یا دکن
 مل سکیں گے کس طرح دونوں فرید
 اُن میں شوقی اور مجھ میں بانگین



تازہ ہوائیں مانگی تھی
 لو کے جھونکے ملے سوغات





ملن کی شمع جلا دور ہر شکایت کر
فسردہ دل ہوں میں پوری مری ضرورت کر

وہ بات کرنے لگا مجھ سے میرے لہجے میں
گھما پھرا کے یہ کہتا ہے اب محبت کر

کوئی ہے جس نے یہاں ہا رہی نہیں مانی
کہانی میری سنا اور محو حیرت کر

نئی ذات کا مجھ کو سکھا رہا ہے ہنر
وہ ایک شخص جو کہتا تھا کل بغاوت کر

یہ موڑ کاٹ کے پھر زندگی سے ملتا ہے
اس ایک بات پہ آمادہ اب طبیعت کر

مرے چراغ کو دوش ہوا پہ رکھ کے نہ جا
نہ اس طرح مری محنت کو اب اکارت کر

غموں کا بوجھ وہی رکھ رہا ہے شانوں پر
جو کل تلک مجھے کہتا تھا عیش و عشرت کر

یہ کون مجھ سے خفا ہو رہا ہے میری طرح
اسے تو سایہ سمجھ وہم سے عبارت کر

یہاں پہ چاند ستارے ہیں گردشوں کے اسیر
کوئی نہ تیرے بنے گا ہزار محنت کر

خموش رہنا یہاں پر ہے بزدلی کی دلیل
ستم گری کو ذرا مورد شکایت کر





مرے چراغ کو طاقِ زیاں پہ رکھتا ہے
 جہاں اندھیرا نہیں ہے وہاں پہ رکھتا ہے
 میں نیم جان رہو یا کہ جاں گسل اُسے کیا
 یہ انحصار وہ تیرو کماں پہ رکھتا ہے
 جنوں کے کام کو وہ کارِ سہل کہتا ہے
 عجب گمان وہ کارِ جہاں پہ رکھتا ہے
 ہوا کے ہاتھ میں دے کر گیا وہ میرا ہاتھ
 وہ اس طرح بھی مجھے امتحاں پہ رکھتا ہے
 ہر ایک ہاتھ میں پتھر تھما دیا اُس نے
 یہ کیا گمان وہ شیشہ گراں پہ رکھتا ہے
 پُرا کے رنگ وہ چہرے کا جسم مانگتا ہے
 بہت سے قرضے مری نقدِ جاں پہ رکھتا ہے

بدلتا جاتا ہے وہ گام گام راہ اپنی
 وہیں پہ مجھ کو ہے رُکنا جہاں پہ رکھتا ہے
 یہی کہ چھوڑ گیا تنگنائے دنیا میں
 وہی کہ اپنا مکاں لامکاں پہ رکھتا ہے
 میں اُس کو بھول بھی جاؤں تو کس طرح جو فرید
 بنائے قرب غمِ جاوداں پہ رکھتا ہے





اک بہانہ ملے اور خود سے تعلق بڑھ جائے
 کاش ایسا ہو کہ یہ نیل بھی منڈھے چڑھ جائے
 اپنے ماضی کی طرف مڑ کے نہیں دیکھتا ہوں
 اس لیے بھی نہ کہیں دردِ عالم پھر بڑھ جائے
 ایک مدت سے نہیں ہوتا ہے احساسِ زیاں
 کوئی موقع نہیں ملتا ہے کہ خود سے لڑ جائے
 کرنے بیٹھا ہے کوئی میری زمیں کو تقسیم
 اُس کی خواہش پہ خدایا کوئی پتھر پڑ جائے
 ہو کے بچوں پہ کھڑا مجھ سے ملا اپنا قد
 عین ممکن ہے یونہی تیرا بھی قد کچھ بڑھ جائے
 اب دھواں دھار برس اتنا تو بادل سے کہہ
 یہ نئی فصل ہے پکنے سے نہ پہلے سڑ جائے
 یہ زمیں میں نے نکالی ہے نئی تازہ فرید
 اس لئے ڈر نہیں مصرع نہ کسی سے لڑ جائے



رنج و راحت کے انفصال سے میں
تنگ آیا ہوں اس وبال سے میں

زیست میری سنور ہی جائے گی
جی رہا ہوں اسی خیال سے میں

پیش منظر بنے گا پس منظر
مطمئن ہوں اس احتمال سے میں

چند خاکوں میں بھر دیا ہے رنگ
خوش بہت ہوں اس اک کمال سے میں

پھول پھل جس پہ لگ گئے تھے بہت
کٹ گیا ہوں اُس ایک ڈال سے میں

روز کہتا ہے صبح کو سورج
نکل آیا ہوں پھر زوال سے میں

میرا ماضی ہی شاندار رہا
مطمئن ہوں نہ اپنے حال سے میں

حلقہ حلقہ ہے جس کا کام نہنگ
 نکل آیا ہوں ایسی جال سے میں
 مجھ کو مجھ سے وہ مانگتا ہے فرید
 کیوں نہ خائف ہوں اس سوال سے میں





پیکار زندگی میں ہے کارِ فغاں بند
 جینا ہے گر قبول کر اپنی زباں بند
 اس درجہ گھٹ گیا ہے مکینوں میں اعتماد
 کرتے ہیں شام ہونے سے پہلے مکاں بند
 رونق یہ میرے شہر کی اب لے گیا ہے کون
 ایک اک سڑک خموش ہے ایک اک دوکاں بند
 گرہیں میں کھولنے لگا اپنے وجود کی
 یاں سے جو کھولتا ہوں تو ہوتی ہیں واں بند
 چھلنی ہوا ہے جسم مرا پھر بھی دیکھنا
 کرتے نہیں ہیں مشق وہ تیرہ کماں بند
 کن حادثوں کو دیکھ کے سکتے میں آئے لوگ؟
 حیران ہر نگاہ ہے اور ہر زباں بند
 جاتا ہوں شیخ حمزہ کے درپر فرید پھر
 باب قبول رہتا نہیں ہے وہاں بند



اور کیا اس کے سوا اہل نظر جانتے ہیں
پگڑیاں اپنی بچانے کے ہنر جانتے ہیں

اک ستارے کو ضیا بار دکھانے کے لیے
وہ بجھائیں گے سبھی شمس و قمر جانتے ہیں

اس طرح بھاگتے سایوں پہ نظر رہتی ہے
کام آتا ہے بہت روزن در جانتے ہیں

خواب میں دیکھتے ہیں کھڑکیاں ہر گھر کی کھلی
دور ہو جائے گا اب شہر سے ڈر جانتے ہیں

کسی جھولی میں یہ تارے ہی نہیں گرنے کے
یہ طلب گار کا اندازِ نظر جانتے ہیں

روشنی غیر کی ہوتی ہے چکا چوند بہت
ہم اسے کچھ بھی نہ جزِ رقصِ شرر جانتے ہیں

میزبانی تھی کبھی جن میں میسر تیری
لوٹ آئیں گے وہی شام و بحر جانتے ہیں

وہ جوستانے یہاں آئے ہیں اک دن صاحب
 سائے کے ساتھ ہی مانگیں گے شجر جانتے ہیں
 تیز آندھی سے دیئے اب کے بچانے کو فرید
 خود کو رکھتے گا سرِ راہ گزر جانتے ہیں





پرانی روشنیوں کو بجھائے دیتا ہوں
 نئے ستارے زمیں پر نہیں لائے دیتا ہوں
 عجیب حال پریشاں ہوں دیکھ لو مجھ کو
 کوئی سُنے نہ سُنے میں بتائے دیتا ہوں
 مرے وجود کی لو تھر تھرانے لگتی ہے
 یہ کن ہواؤں سے خود کو ڈرائے دیتا ہوں
 کبھی کبھی کبھی خوابوں کو رہن کرتا ہوں
 کبھی کبھی کبھی قرضے چکائے دیتا ہوں
 گرے اگر مری دستار وہ ہے میری موت
 یقین کرو نہ کرو میں دکھائے دیتا ہوں
 کوئی تو ہے جو پُرانے لگا مجھے مجھ سے
 اس ایک وہم میں اب غل مچائے دیتا ہوں
 بھرے درختوں کو یہ بیل کیسے ڈھانپتی ہے
 چلو تمہیں بھی یہ قصہ سنائے دیتا ہوں
 کوئی بتا کے گیا تھا پلٹ کے آؤں گا

ایک ایک دم میں شمعیں جلانے دیتا ہوں



بے طرح خوابوں کا دیکھا مجھ کو عادی خوش ہوا
 جب کھلی اُس پر مری خوش اعتقادی خوش ہوا
 میں نے بھی ظاہر کیا اُس پر نہیں ہوں خود کفیل
 دیکھ کر ابکے وہ میری کم سوادِ خوش ہوا
 تن بدن میں آگ پھیلاتی ہے اُس کی بانسری
 اپنا کرتب دیکھ کر آتش نہادی خوش ہوا
 صف شکن بادِ مخالف سے نہ آیا ابکے خوف
 بھانپ کر آپ اپنے میں خود اعتمادی خوش ہوا
 کس طرح سائے میں سایہ ہو گیا گڈ مڈ تھارات
 سارا قصہ سن کے یہ خالدِ عبادی خوش ہوا

میں حدوں کو توڑتا ہوں خود کو پانے کے لئے
 وہ سمجھ کر سوچ اس کو انفرادی خوش ہوا
 اک ذرا بھاتی نہیں ہے اس کو رنگ آمیزیاں
 دیکھ کر میری طبیعت بھی وہ سادی خوش ہوا
 لگ گیا امرت کے بدلے ویش پلانے پھر فرید
 دیکھ کر اس بات کا مجھ کو وہ عادی خوش ہوا





خوابوں کا اک جہوم شکیبائی لے گیا
 چھوڑا مجھے مگر مری تنہائی لے گیا
 پہچان اپنے آپ کو پاؤں میں کس طرح
 یہ دور مجھ سے میری شناسائی لے گیا
 شاید کہ ایک نیزے پر آیا ہے آفتاب
 یا کوئی میرے جسم سے پرچھائی لے گیا
 مٹی کی سب امانتیں مٹی کو سوپ دی
 اک گھر بچا تھا وہ بھی مرا بھائی لے گیا
 میں کر رہا ہوں کل سے اشاروں میں گفتگو
 یہ کون مجھ سے قوتِ گویائی لے گیا
 وسعت سڑک میں دے کے وہ رونق بڑھا گیا
 لیکن مرے مکان کی انگنائی لے گیا





یہ زیست کرنے کی نکلی سبیل راتوں رات
میں خود ہے ہونے لگا ہوں طویل راتوں رات

نہیں وہ کرسکا آزاد پھر بھی میری روح
جو ڈھ کے نکلا بدن کی فصیل راتوں رات

دیا ہے جاگتے تاروں نے بے مہار سا کرب
بنا گئے ہیں مجھے خود کفیل راتوں رات

میں بار بار یہاں زد پہ چڑھتا رہتا ہوں
چڑھائی کرتے ہیں اصحاب فیل راتوں رات

سروں کو طشت پہ لے کر سحر ہے آنے کی
یہاں سے بھاگ اے ابن السبیل راتوں رات

میں اپنے آپ کو جل باس کرنے والا تھا
 مرے مکاں میں اُگا روڈ نیل راتوں رات
 طیور ناچتے تھے جس کی شاخ شاخ پہ کل
 برہنہ ہو گئے وہ سب نخیل راتوں رات
 فرید بھول گیا اپنا لب ولہجہ اب
 وہ شعر کہنے لگا ہے ثقیل راتوں رات





ہے خبر اس کی اُسے بھی نہیں شاید بھی نہیں
یاد آتا ہے وہ اتنا کہ کوئی حد بھی نہیں

آنکلتا رہتا ہوں میں بھاگتے سائے دن بھر
کام کرتا ہوں وہ جس کا کوئی مقصد بھی نہیں

کیسے اپنائے گا یہ وقت کا دربار مجھے
جب مرے پاس کوئی حرفِ خوشامد بھی نہیں

اب کے انصاف طلب کرنے لگے شہر کے لوگ
جب کہ آئین میں ایسی تو کوئی مد بھی نہیں

مر گیا وہ بھی ہے بے نام زمیں کی خاطر
اس لئے اُس کے نصیب اب کہیں مرقد بھی نہیں

جانے کیوں ناپتا رہتا ہے وہ سایہ اپنا
 کیسے کہہ دوں اُسے سایوں کا کوئی قد بھی نہیں
 کیوں میرا ساتھ نبھاتا نہیں یہ ماہِ تمام
 میں کہ آزاد بھی ہوں وہ کہ مقید بھی نہیں
 اُس سے کرتا ہوں مروت کی توقع میں فرید
 جس کی فرہنگ میں یہ حرفِ مشدّد بھی نہیں





وسوسوں کے شہر میں اپنا مقدر دیکھ کر
 مر رہا تِل تِل ہوں میں خوابوں کو بخر دیکھ کر
 کیا یہ اپنے شہر میں دیکھا نہ تھا پہلے کبھی
 جی اُمڈ آتا ہے کیوں میرا یہ منظر دیکھ کر
 وہ مرا ہمزاد ہے یا مرے خوابوں کا حریف
 جو بدل لیتا ہے رستہ مجھ کو اکثر دیکھ کر
 یہ نہیں سوچا کہاں جاتا ہوں جانا ہے کدھر
 میں کہ ہمرہ ہولیا اک لاؤ لشکر دیکھ کر
 میں نے ہی بخشی تھی اُس کو قوتِ پرواز کل
 آج جو خوش ہو رہا ہے مجھ کو بے پَر دیکھ کر

وہ کہ استغناء تھا اپنا، یا کہ ناواقف تھے ہم
 چوٹکتے ہیں سائے کو قد کے برابر دیکھ کر
 خواہشوں میں آگیا ہے اب توازن اے فرید
 پاؤں پھیلانے لگا ہوں میں بھی چادر دیکھ کر





یہ کون آیا ہے میرے قریب آخر شب
 بنا رہا ہے مجھے خوش نصیب آخر شب
 ہوئے ہیں چاند ستاروں کے ساتھ خواب ہوا
 میں ہو گیا ہوں بہت ہی غریب آخر شب
 غنیم ایک طرف ہے حلیف ایک طرف
 مجھی میں پڑنے لگا رن عجیب شب
 حساب لینے لگا خود سے اوّل شب کا
 میں بن رہا ہوں خود اپنا حبیب آخر شب
 خموش بیٹھا تھا جو شاخ دل پہ شام سے ہی
 چمک رہا ہے وہی عندلیب آخر شب
 یہ کون مانگ رہا ہے یہاں مجھی سے مجھے؟
 میں بن رہا ہوں یہ کس کا نصیب آخر شب
 شگفتہ لہجے میں ہم سے ہوا وہ محو کلام



کیف زالمحوں کی مجھ میں اب للک باقی نہیں
 میں تو ہوں لیکن وہ پہلی سی کسک باقی نہیں
 ایک مدت سے نہ رکھا میں نے پٹھے پر ہے ہات
 کیا کوئی چکر بھی اب دورِ فلک باقی نہیں
 رونقِ دنیا ہے باقی میں ہی لیکن بُجھ گیا
 چاند ہے بھرپور تارے میں چمک باقی نہیں
 میں بھلا بیٹھا ہوں ہنستے بولتے لمحوں کی یاد
 تجھ میں بھی شاید یہ قدرِ مشترک باقی نہیں
 دل کا رشتہ یاد سے ٹوٹا ہے مدت ہو گئی
 پھول باقی ہے مگر اس میں مہک باقی نہیں
 پھر پرانی آگ میں جلنے لگا میرا وجود
 یہ دھواں پھیلے گا گھر گھر اس میں شک باقی نہیں

گھورتے ہیں لوگ کیوں پرچھائیوں کو اس طرح
 شاید اُن کے پاس خوابوں کی جھلک باقی نہیں
 حظ اٹھا سکتے نہیں ثقل سماعت کے سبب
 کہہ رہے ہیں پھر بھی باتوں میں نمک باقی نہیں
 میں ہوا بے رنگ موسم کے سبب یا اب فرید
 قرب کے بے لوث لحوں کی دھنک باقی نہیں





ہر خواب یاد رکھنے کا پیدا سبب کریں
جو آج تک نہ کر سکے وہ کام اب کریں

ہوئے لگا یہاں پہ بلاؤں کا پھر نزول
اب کچھ نہ کر سکیں گے چلو ذکرِ رب کریں

جگنو مثال خود کو جلائیں گے رات بھر
معمور اس طریقے سے یہ تیرہ شب کریں

ہم نے تو اُس کا ساتھ نبھایا ہے دیر تک
اب اُس سے دور جانے کا کارِ عجب کریں

سب جیت پر مناتے ہیں اکثر یہاں پہ جشن
ہم کیوں بپا نہ ہار پہ جشنِ طرب کریں

آسودہ جسم و جاں ہوں کبھی شہرِ سنگ میں
وا اس اُمید پر نہ یہاں چشمِ و لب کریں

لہروں کے ساتھ آنے لگی ریت پے بہ پے
کب تک دراز ہم یونہی دستِ طلب کریں

دھندلا گیا ہے عز و شرف کا ہر ایک نقش
اب کس اُمید پر کوئی فکرِ نسب کریں



قدم قدم پہ دیئے شوق کے جلا کے چلے
ہمیں وہ لوگ ہیں جو اپنا سر اٹھا کے چلے

نہ راس آئی انہیں خوش گمانیاں میری
اسی لئے وہ یہاں آئینے سجا کے چلے

میں تیر کھاتا ہوں اور آہ بھی نہیں کرتا
وہ اس طرح سے مرے حوصلے بڑھا کے چلے

وہی ہیں نوحہ گناں آج میرے ماتم میں
یہی ہیں کل جو مجھے کربلا میں لا کے چلے

کسی کے جو رستم یاد جو نہیں رکھتے
ہم اُن ہی لوگوں سے اب سلسلہ ملا کے چلے

جہاں پہ روز ہوا سائیں سائیں کرتی ہے
اُس ایک دشت کا مجھ کو پتہ بتا کے چلے



نظمیں

نروان

اک گٹھا ٹوپ اندھیرا ہے مرے چاروں طرف
 اب کہ فریاد و فغاں کر کے میں تھک ہار گیا
 میں اکیلا ہوں ہر اک موج مخالف ہے مری
 مجھ سے کترا کے مرا سایہ گزر جاتا ہے
 میری آواز پہ غیروں کا گماں ہوتا ہے
 کندلیاں مارے کے بیٹھے ہیں نحوست کے سانپ
 خواب بھی میرے نہیں خواب کی تعبیر نہیں
 ہاں مگر سوچ کے صحرا میں کوئی نخل اُمید
 جس کے نم ناک شگوفوں نے نکھارا ہے وجود
 پر شکستہ ہوں یہی سوچتا ہو جس کے تلے
 کوئی موسم یہاں آئے گا ضرور آئے گا
 میرے کھوئے ہوئے بازو مجھے واپس کرنے



شہر آشوب

ملال و رنج کی باتیں بہت ہوئیں اب تک
 چلو بدل کے چلیں اب کے گفتگو کا مزاج
 سوال کرتی ہوئی ساعتوں سے رنج کے چلیں
 جواب دیتے ہوئے راستوں سے لیں گے خراج
 چلو چلیں گے کسی سیر گاہ کی جانب
 جہاں پہ ہوگا منیر ہجوم مہروشاں
 وہی پہ بات کریں گے جلا کے شمع خیال
 خلوص و شوق کا موسم یہاں رہے گا جوان

بہار آئی ہر اک شاخ ہے ترو تازہ
 نمو پذیر ہے روئے حیات پر غازہ
 چمن سے آیا ہے گلشنی کا اک فرماں
 خیال و خواب کا موسم سدا رہے گا جوان
 چلے بھی آؤ کہ نغمہ بھی ہے نگار بھی ہے
 گلاب و لالہ کے چہرے پہ کچھ نکھار بھی ہے
 شجر شجر ہے معطر نکلی کلی مدہوش
 ہر ایک شاخ لئے جام انگیں ہے کھڑی
 روش روش ہے گلستاں قدیم قدیم ہے سخن

ملال و رنج کی باتیں بہت ہوئیں اب تک
 چلو بدل کے چلیں اب کے گفتگو کا مزاج
 نہ اس کا ذکر کریں اب یہاں پہ کیا گزری
 نہ اس کا ذکر کریں کٹ مرے ہیں کتنے جواں
 نہ اس کا ذکر کریں دن ہیں چھوٹے رات بڑی
 وطن ہے اپنا یقیناً مثال خلد بریں
 کہیں نہ اس کا ہے ہم سر نہ اس کا ثانی کہیں
 چلی ہے جو رو جفا کی یہاں پہ ایسی ہوا
 یقین ہو گیا موہوم اور گماں مدقوق
 سروں پہ کب سے مسلط ہے تیرگی کا غبار
 متاع صبر و سکون کے نشاں ہوئے دھندلے
 سلاح و تیغ ہے کب سے نیام سے باہر
 کہیں پہ اب نہ اُجالا اُداس ہے گھر گھر
 برستے سنگِ فدا خون سے گرچہ شام و پگاہ
 فغان کرنا یہاں جرم آہ بھرنی گناہ
 ”یہ اور بات ہمارے لہو کی پیاسی ہے
 مگر زمین وطن پھر بھی ہے زمین وطن“

ملال و رنج کی باتیں بہت ہوئیں اب تک

چلو بدل کے چلیں اب کے گفتگو کا مزاج

نہ اس کا ذکر کریں گے شقی ہیں اہل وطن
 نہ اس کا ذکر کریں گے کہ نگ ہیں اوقات
 زمانہ تارِ حریر دو رنگ کی مانند
 زمانہ مرد تہی دَستِ سنگ کی مانند
 اس ایک بات پہ کیا زندگی حرام کریں

میں کب کا بھول چکا اپنے دوستوں کا سلوک
 میں کب کا بھول چکا ہوں وفا کی راہ گزر
 یہاں پہ کون کہے گا ٹھہر ٹھہر کے چل
 میں کب کا بھول چکا دل نشیں ہر اک ساعت
 وہ قزبتوں کا درخشاں شفیق موسم بھی
 رفاقتوں کا اُجالا خوشی کی رم جھم بھی
 ملال و رنج کی باتیں بہت ہوئیں اب تک
 چلو بدل کے چلیں اب کے گفتگو کا مزاج

تری طرف جو کبھی غیر کی نظر اٹھتی
 مری وفا میں اُسے نوج کھانے کو چلیں
 ہوا ہے روزِ ماہ تمام بے رونق
 رہا نہ یاد وہ چاہت کا بھیگتا موسم
 رُکے تھے کتنے ہی لمحوں کو جاوداں کر لیں
 چلے کہ عزم تھا دامن ترانہ چھوڑیں گے

مگر چلی ہے یہاں تیز تیر اک آندھی
اُجاڑ ہو گئے راستے محال ہو گئی زیست

شبہ خواب نگاہوں میں لے کے پھرتا ہوں
کہیں نہ وقت کی آندھی اسے بھی گل کر دے
تصویرات کی پرچھائیوں میں جیتا ہوں
میں جینا چاہتا ہوں پھر بھی زہر پیتا ہوں
وہ خواب خواب گزر گہہ وہ دلنشین موسم
جہاں سے کی تھی محبت کی ابتداء ہم نے
قدم قدم پہ تمنائیں دم بہ خود میں یہاں
تلاش کرتا ہوں کب سے وہ دلنشین ساعت
وہ خوشبوؤں سے نکھرتا ہوا بدن اُسکا
میں واہموں میں گرفتار ہو گیا اتنا
یہ سوچتا ہوں کوئی لمحہ جادواں ہی نہیں
یہاں پہ مانگئے کس سے سکون کی خیرات
یہاں کروں گا اب اپنے سوا میں کس سے بات
میں خود ہی آنکھ ہوں خود ہی قدم ہوں خود ہی ہات
ہر اک سوال کہ ریگ رواں کی مانند ہے
ہر ایک سلسلہ وہم و گماں کی مانند ہے



حبیب اللہ :

سنگین دروازہ، حول، سرینگر

ایم کام۔ ایم۔ اے (اُردو)

ایم۔ فل (اُردو) پی۔ ایچ۔ ڈی (اُردو)

شعبہ اُردو، کشمیر یونیورسٹی، سرینگر

ابرتر ۱۹۷۵ء تا اب نیساں ۱۹۹۲ء

شہر زور کاشمیری ۱۹۹۲ء تا اب ۱۹۹۸ء

فرید نامہ ۲۰۰۳ء تا اب اصلاح (مضامین) ۲۰۰۵ء

ہل دیو کالونی، وائے بل، راولپورہ (انگریز) سرینگر ۱۹۰۰۰۵

۲۳۳۱۲۸۷ / ۲۳۰۰۲۸۳

EDUCATIONAL PUBLISHING HOUSE

3108, VAKIL STREET, KUCHA PANDEY, LAL KUAN, DELHI-6 (INDIA)

PH: 23216162, 23214465 FAX: 011-23211540

E-MAIL: ephdelhi@yahoo.com

